از عدالتِ عظمیٰ[1]

تاریخ فیصلہ: 11 اکتوبر 1955

داجی صاحب مین و دیگراں

بنام

شنکر راؤ وٹھل راؤ مین و دیگر۔

[ایس آر داس، قائمقام چیف جسٹس، ویوین بوس، جگندھاداس، جعفر امام اور چندر شیکھر اایئر جسٹس صاحبان]

بھارت کا آئین- آرٹیکل 133 اور 135–10,000 روپے سے زیادہ لیکن 20,000 روپے سے کم قیمت کی جائیدادوں کے سلسلے میں نچلی عدالت کی ڈگری --عدالت عالیہ نے 8-11-1949 پر الٹ دیا-ہائی عدالت نے 1-10-1951 پر اپیل کرنے کی اجازت دے دی-43 عدالت عظمیٰ میں اپیل کریں کہ آیا آرٹیکل 135 کی تعمیر میں قابل لفظ "قابل استعمال" ہے۔

عدالت عظمیٰ میں یہ اپیل کچھ غیر منقولہ جائیدادوں کے قبضے کے مقدمے میں بمبئی عدالت عالیہ کی الٹی ڈگری سے تھی۔ مقدمے کو ٹرائل عدالت نے 20-12-1946 پر خارج کر دیا تھا، جائیدادوں کی قیمت 10,000 روپے سے زیادہ پائی گئی تھی۔ مدعی کے دعوے کی اجازت دینے والی عدالت عالیہ کی ڈگری 8 نومبر 1949 کو منظور کی گئی۔ مدعاعلیہان نے 6-1-1950 پر وفاقی عدالت میں اپیل کرنے کی اجازت کے لیے عدالت عالیہ میں درخواست دی جو 1-10-1951 پر دی گئی تھی۔

تعین کے لیے سوالات میں سے ایک یہ تھا کہ کیا آئین کا آرٹیکل 133 اس مقدمے پر لاگو ہوتا ہے اور اپیل عدالت عظمیٰ کے لیے مجاز ہے۔

حکم ہوا کہ آرٹیکل 133 کا اطلاق نہیں ہوتا کیونکہ یہ "بھارت کے علاقے" میں عدالت عالیہ کی سول کارروائی میں کسی بھی فیصلے، ڈگری یا حتمی حکم کے خلاف اپیلوں سے واضح طور پر متعلق ہے۔

مزید کہا گیا کہ عدالت عالیہ کی ڈگری کی تاریخ پر مدعاعلیہان کو وفاقی عدالت میں اپیل کرنے کا حق حاصل تھا کیونکہ جائیدادوں کی مطلوبہ قیمت تھی اور 6-1-1950 پر اپیل کی اجازت کا سرٹیفکیٹ دینے کا پابند تھا۔

یہ بھی کہا گیا کہ اپیل آئین کے آرٹیکل 135 کی توضیعات کی بنا پر عدالت عظمیٰ کے لیے مجاز ہے کیونکہ متنازعہ معاملے کے سلسلے میں دائرہ اختیار اور اختیارات وفاقی عدالت ذریعے آئین کے آغاز سے فوراً پہلے ایک موجودہ قانون کے تحت قابل استعمال تھے کیونکہ وفاقی عدالت کو عدالت عالیہ کی ڈگری سے اپیلوں پر غور کرنے اور سننے کا دائرہ اختیار تھا جس نے 10,000 روپے سے زیادہ کی جائیدادوں کے حوالے سے نچلی عدالت کی ڈگری کو الٹ دیا تھا۔

تعمیر نے مدعاعلیہ کی طرف سے دعوی کیا کہ دائرہ اختیار آرٹیکل 135 کے تحت وفاقی عدالت ذریعہ صرف اس صورت میں قابل استعمال تھا جب معاملہ درحقیقت وفاقی عدالت سامنے زیرالتوا تھا اور یہ کہ اسے اس وقت تک زیر التواء نہیں کہا جا سکتا جب تک کہ مجموعہ ضابطہ دیوانی کے آرڈر XLV کے تحت اپیل کو تسلیم نہیں کیا جاتا ہے۔ بہت تنگ ہے اور آرٹیکل میں لفظ 'قابل استعمال' کے معنی کو مکمل اور مناسب گنجائش نہیں دیتا ہے۔

اپیلیٹ دیوانی کا دائرہ اختیار: دیوانی اپیل نمبر 92، سال 1953۔

سول جج، سینئر ڈویژن، شولاپور کی عدالت خصوصی مقدمہ نمبر 78، سال 1945 میں 20 دسمبر 1946 کے فیصلے اور ڈگری سے پیدا ہونے والی اصل ڈگری نمبر 195، سال 1947 سے اپیل میں بمبئی عدالت عالیہ کے 8 نومبر 1949 کے فیصلے اور ڈگری سے مجموعہ ضابطہ دیوانی کی دفعہ 110 کے تحت اپیل۔

اپیل گزاروں کی طرف سے سال یسیٹر جنرل برائے بھارت (آر اے گووند، ان کے ساتھ) سی کے دپھتری۔

جواب دہندگان کے لیے جے بی داداچنجی، سری نارائن اینڈلی اور راجندر نارائن۔

11.1955 اکتوبر۔

عدالت کا فیصلہ چندر شیکھرا ایئر جسٹس نے سنایا۔

یہ اپیل کچھ غیر منقولہ جائیدادوں کے قبضے کے مقدمے میں بمبئی عدالت عالیہ کی الٹ ڈگری سے ہے جسے سول جج، سینئر ڈویژن، شولاپور نے مسترد کر دیا تھا۔ جائیدادوں کی قیمت 10,000 روپے سے زیادہ پائی گئی ہے۔

اصل ڈگری 20-12-1946 پر تھی۔ مدعی کے دعوے کی اجازت دینے والی عدالت عالیہ کی ڈگری 8-11-1949 پر تھی۔ مدعاعلیہان نے 6-1-1950 پر وفاقی عدالت میں اپیل کرنے کی اجازت کے لیے درخواست دی۔ عدالت عالیہ نے ٹرائل عدالت کو اس جائیداد کی قیمت معلوم کرنے کی ہدایت کی جو مقدمے کے وقت اور اپیل میں ڈگری کی منظوری کی تاریخ پر مقدمے کا موضوع تھا۔ 22-1-1951 پر نچلی عدالت نے قیمت کا تعین کیا جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے۔ اس کے بعد عدالت عالیہ نے مدعی کی طرف سے اس طرح کی اجازت کی منظوری پر اٹھائے گئے اعتراضات کو مسترد کرتے ہوئے 1-10-1951 پر اپیل کرنے کی اجازت دے دی۔

اس اپیل کی پائیداری پر ہمارے سامنے جواب دہندگان کے فاضل وکیل جناب داداچنجی نے کچھ لمبی دلیل میں سوال اٹھایا ہے۔ ان کی بنیادی دلیل تھی کہ آئین کا آرٹیکل 133 اس مقدمہ پر لاگو ہوتا ہے، اور چونکہ قیمت 20,000 روپے سے کم ہے، اس لیے کسی بھی اپیل پر غور نہیں کیا جا سکتا۔ یہ اس دلیل کی درستگی ہے جس پر ہمیں غور کرنا ہے۔

عدالت عالیہ کی ڈگری کی تاریخ پر، مدعاعلیہان کو وفاقی عدالت میں اپیل کرنے کا حق حاصل تھا، کیونکہ جائیدادوں کی مطلوبہ قیمت تھی، اور 6-1-1950 پر انہوں نے اپیل کرنے کے لیے

اجازت کا سرٹیفکیٹ مانگا، جو منظور ہونے کا پابند تھا۔ عدالت عظمیٰ کو بھارت کے لیے حتمی اپیلٹ اتھارٹی کے طور پر قائم کرنے والا آئین 26-1-1950 پر نافذ ہوا۔ کیا وفاقی عدالت کے خاتمے سے ذاتی حق ختم ہو گیا؟ اگر زیر التواء معاملات کو نمٹانے یا اپیلوں کو دائر کرنے کے لیے اس کی جگہ کسی فورم کو تبدیل کیے بغیر جس گنتی پر اپیل کی جاتی ہے اسے مکمل طور پر ختم کر دیا جاتا ہے، تو اس میں کوئی شک نہیں کہ ذاتی حق ختم ہو جاتا ہے۔ لہذا ہمیں اس بات کا جائزہ لینا ہو گا کہ کیا عدالت عظمیٰ کو وجود میں لانے والا آئین آئین کی تاریخ سے پہلے عدالت عالیہ کی ڈگری کو بدلنے سے اپیل کے لیے کوئی التزام کرتا ہے جس میں 10,000 روپے اور اس سے زیادہ کی جائیدادوں کے حوالے سے عدالت عظمیٰ کے ذریعے سماعت کی جارہی ہے۔ آرٹیکل 135 ان شرائط میں ہے:-

"جب تک پارلیمنٹ قانون کے ذریعے دوسری صورت میں فراہم نہیں کرتی، عدالت عظمیٰ کے پاس کسی بھی ایسے معاملے کے حوالے سے دائرہ اختیار اور اختیارات ہوں گے جس پر آرٹیکل 133 یا آرٹیکل 134 کی توضیعات لاگو نہیں ہوتی ہیں اگر اس معاملے کے سلسلے میں دائرہ اختیار اور اختیارات کسی موجودہ قانون کے تحت اس آئین کے آغاز سے فوراً پہلے وفاقی عدالت ذریعے استعمال کیے جاسکتے تھے۔"

آرٹیکل 133 مندرجہ ذیل ہے:-

"(1) بھارت کے علاقے میں عدالت عالیہ کی سول کارروائی میں کسی بھی فیصلے، ڈگری یا حتمی حکم کے خلاف عدالت عظمیٰ میں اپیل ہو گی اگر عدالت عالیہ تصدیق کرتی ہے کہ-

(a) کہ عدالت میں تنازعہ کے موضوع کی رقم یا قیمت جو اپیل پر زیر بحث ہے، بیس ہزار روپے یا ایسی دوسری رقم سے کم نہیں تھی اور ہے جو پارلیمنٹ قانون کے ذریعے اس سلسلے میں متعین کرے؛ یا

(b) کہ فیصلے، ڈگری یا حتمی حکم میں براہ راست یا بالواسطہ طور پر اتنی ہی رقم یا قیمت کی جائیداد کے حوالے سے کوئی دعوی یا سوال شامل ہے۔ یا

(c) کہ مقدمہ سپریم کورٹ میں اپیل کے لیے موزوں ہے؛ اور، جہاں سے اپیل کردہ فیصلہ، ڈگری یا حتمی حکم ذیلی شق (c) میں مذکور مقدمے کے علاوہ کسی بھی معاملے میں فوری طور پر نیچے عدالت کے فیصلے کی تصدیق کرتا ہے، اگر عدالت عالیہ مزید تصدیق کرتی ہے کہ اپیل میں قانون کا کوئی ٹھوس سوال شامل ہے۔................"

یہ معقول طور پر واضح ہے کہ آرٹیکل 133 اس "معاملے" پر لاگو نہیں ہوتا ہے۔ زبان مستقبل سے متعلق ہے، اور جس فیصلے، ڈگری یا حتمی حکم سے اپیل کی جاتی ہے وہ ہندوستان کے علاقے میں عدالت عالیہ کا ہے جو کہ آئین کے تحت قائم کردہ عدالت عالیہ ہے۔ بھارت کا علاقہ ریاستوں کے علاقے پر مشتمل ہے۔ آرٹیکل 214 میں کہا گیا ہے کہ ہر ریاست کے لیے ایک عدالت عالیہ ہوگی، اور اس کی شق (2) میں کہا گیا ہے کہ "اس آئین کے آغاز سے فوراً پہلے کسی صوبے کے سلسلے میں دائرہ اختیار کا استعمال کرنے والی عدالت عالیہ کو متعلقہ ریاست کے لیے عدالت عالیہ سمجھا جائے گا"۔ ہم آئین سے پہلے عدالت عالیہ اور آئین کے بعد عدالت عالیہ کے بارے میں جامع طور پر صوبائی عدالت عالیہ اور ریاستی عدالت عالیہ کے طور پر بات کر سکتے ہیں۔ بھارت کے علاقے میں عدالت عالیہ کا مطلب ریاستی عدالت عالیہ ہے، اور آرٹیکل 133 ایسی عدالت عالیہ کی سول کارروائی میں کسی بھی فیصلے، ڈگری یا حتمی حکم کے خلاف اپیل فراہم کرتا ہے۔

اگرچہ آرٹیکل 133 کا اطلاق نہیں ہوتا ہے، لیکن ہمیں ابھی یہ دیکھنا ہے کہ آیا یہ ایک ایسا معاملہ ہے جس کے حوالے سے آئین کے آغاز سے فوراً پہلے وفاقی عدالت ذریعے کون سے دائرہ اختیار اور اختیارات استعمال کیے گئے تھے۔ پریوی کونسل کے دائرہ اختیار کی وضاحت کرنے والے سابقہ قوانین، اور بھارتیہ سرکار ایکٹ، 1935 کے وفاقی عدالت قیام اور اس پر محدود دائرہ اختیار دینے کے بارے میں تفصیل سے حوالہ دینا غیر ضروری ہے۔ یہ بتانا کافی ہے کہ جیسا کہ اس وقت قانون کھڑا تھا، وفاقی عدالت کو عدالت عالیہ کی ایک ڈگری سے اپیلوں پر غور کرنے اور سماعت کرنے کا دائرہ اختیار تھا جس نے 10,000 روپے سے زیادہ کی جائیدادوں کے حوالے سے نچلی عدالت کی ڈگری کو الٹ دیا۔ متاثرہ فریق کو بغیر کسی خصوصی اجازت کے اس سے پہلے جانے کا حق حاصل تھا۔ یہ ایک ایسا معاملہ تھا جس پر دائرہ اختیار وفاقی عدالت ذریعے "قابل استعمال" تھا۔ یہ

تعیین کہ یہ "قابل استعمال" صرف اس صورت میں تھا جب معاملہ اصل میں وفاقی عدالت سامنے زیر التوا تھا اور یہ کہ یہ اس وقت تک زیر التواء نہیں کہا جا سکتا جب تک کہ مجموعہ ضابطہ دیوانی کے آرڈر XLV کے تحت اپیل کو منظور تصور نہیں کیا جاتا ہے، بہت تنگ ہے، اور مضمون میں لفظ "قابل استعمال" کے معنی کو مکمل اور مناسب گنجائش نہیں دیتا ہے۔ زیر التواء معاملات آرٹیکل 374 (2) کے تحت نمٹائے جاتے ہیں، اور ہمیں آرٹیکل 135 کی توضیعات کو کچھ معنی دینا چاہیے۔ جیسے ہی عدالت عالیہ کی ڈگری وجود میں آئی، اس ڈگری سے اپیل سننے کے لیے وفاقی عدالت کا دائرہ اختیار قابل استعمال ہو گیا بشر طیکہ ضمانت اور جمع شدہ سے متعلق کچھ شرائط کی تعمیل کی گئی ہو، جو موجودہ مقصد کے لیے مادی نہیں ہیں۔

یہاں ایڈاپٹیشن آف لا آرڈر، 1950 کے پیراگراف 20 کا حوالہ دیا جا سکتا ہے، جیسا کہ 1951 میں ترمیم کی گئی تھی۔ جس میں کہا گیا ہے:

"اس حکم نامے میں کچھ بھی کسی موجودہ قانون کے پچھلے عمل، یا اس کے تحت باضابطہ طور پر کیے گئے یا برداشت کیے گئے کسی بھی کام، یا کسی ایسے قانون کے تحت پہلے سے حاصل کردہ، جمع شدہ یا اٹھائے گئے کسی حق، استحقاق، فرض یا ذمہ داری کو متاثر نہیں کرے گا۔................"

اس آرڈر کی دفعہ 110 کے ذریعے مجموعہ ضابطہ دیوانی کو نئی صورتحال کے مطابق ڈھال لیا گیا تھا لیکن قیمت کی ضرورت کو 10,000 سے بڑھا کر 20,000 کر دیا گیا تھا۔ جو فراہم کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ یہ موافقت پہلے سے جمع شدہ اپیل کے حق کو متاثر نہیں کرے گی۔

اگر ہم جواب دہندگان کی طرف سے زور دی گئی دلیل کو قبول کرتے ہیں، تو ہم بڑی تعداد میں اپیلوں کو مکمل طور پر بند کر دیں گے، جہاں فریقین کو آئین سے پہلے وفاقی عدالت سامنے جانے کا خود کار حق حاصل تھا اور جو ہمیں ماننا چاہیے کہ ان سے ان کی اپنی غلطی کے بغیر چھین لیا گیا تھا، صرف اس وجہ سے کہ وفاقی عدالت کی جگہ عدالت عظمیٰ وجود میں آئی تھی۔ آئین کی توضیعات کی تشریح یا تعمیر سے گریز کیا جانا چاہیے جو اس طرح کے نتیجے کا باعث بنے، جب تک کہ ناگزیر نہ ہو۔ گنداپو نیڈی ویرنا اور تین دیگر ان بنام گنداپو نیڈی چائنا وینکنا اور سات دیگر ان[1] میں مدراس عدالت عالیہ کا

مکمل بنچ کا فیصلہ ایک ایسا مقدمہ تھا جس میں عدالت عالیہ کی ڈگری اور اپیل کی اجازت کے لیے درخواست دونوں آئین کے نافذ ہونے کے بعد تھے۔ کیا ان تمام معاملات میں جہاں مجموعہ ضابطہ دیوانی کی دفعہ 110 کے تحت اپیل کا حق تھا، یہ آئین سے پہلے دائر کیے گئے تمام مقدمات کے سلسلے میں جاری رہے، یہ ایک ایسا سوال ہے جو اب فیصلے کے لیے پیدا نہیں ہوتا ہے۔

اہلیت کے لحاظ سے اپیل ناقابل سماعت ہے۔ وہ خاندان جس کا نسب نامہ ٹری ٹرائل جج کے فیصلے کے ابتدائی حصے میں دیا گیا ہے، اس کی ملکیت تھی جسے سنگم جائدادیں اور پیٹا ویلاپور محل جائدادیں کے طور پر بیان کیا جاسکتا ہے، اور یہ سب وتن کی نوعیت کے تھے۔ سنگم کی زمینوں پر سب سے بڑی شاخ کا قبضہ تھا جس کی نمائندگی یشونت راؤ (پانڈورنگا راؤ کے بیٹے) نے کی تھی۔ جب نومبر 1924 میں یشونت راؤ اور ان کی بیوہ تارابائی کا انتقال ہوا تو یہ جائیدادیں مدعی شنکر راؤ کی شاخ میں اگلے سینئر کے طور پر چلی گئیں۔ پیٹا ویلاپور محل کی جائیدادیں تین حصص میں نرسنگا راؤ، وٹھل راؤ اور کرشنا راؤ کے پاس تھیں، چوتھے بھائی شیاما راؤ کا کوئی حق نہیں تھا کیونکہ وہ پاگل تھا۔ مدعا علیہ 1، 2 اور 3 کرشنا راؤ کی شاخ کی نمائندگی کرتے ہیں۔ یشونت راؤ کی موت کے بعد مدعا علیہان 1 اور 2 کے دادا لکشمن راؤ نے 1925 میں ایک مقدمہ نمبر 1064 دائر کیا جس میں یہ اعلان کیا گیا کہ وہ سنگم کی جائیدادوں، پیٹا ویلاپور محل کی جائیدادوں اور سنگم میں انعامدار کے حق سے متعلق نقد آمدنی کا قریب ترین وارث ہے۔ اس نے ایک اعلانیہ ڈگری حاصل کی کہ وہ متوفی یشونت راؤ کا قریب ترین وارث تھا، اور اس طرح کی صلاحیت میں اسے تمام جائیدادوں پر قبضہ کرنے کا حق حاصل تھا، سوائے انعام کی آمدنی اور ڈگری کے گوشوارہ B میں بیان کردہ سنگم اراضی اور اسی گاؤں میں واقع اور گوشوارہ G میں بیان کردہ جائیداد کی ایک چھوٹی سی چیز کو چھوڑ کر۔ جہاں تک خارج شدہ اشیاء کا تعلق ہے، شنکر راؤ، پہلے مدعا علیہ، (موجودہ مقدمے میں مدعی) کو وارث قرار دیا گیا۔ عدالت عالیہ میں اپیل پر ماتحت جج کی ڈگری کی تصدیق کی گئی، سوائے تین دیہاتوں نیوارے، تمبوری اور لمبا گاؤں کے نقد الاؤنس کے حوالے سے، جسے بھی شنکر راؤ سے تعلق رکھنے والا قرار دیا گیا تھا۔

چونکہ ڈگری صرف ایک استقراریہ ڈگری تھی، اس لیے لکشمن راؤ کے بیٹے نارائن راؤ کو محلونگ، لاونگ اور وافیگاؤں میں پیٹا ویلاپور محل کی جائیدادوں پر قبضہ حاصل کرنے کے لیے ایک نیا

مقدمہ دائر کرنا پڑا۔ یہ دیوانی مقدمہ نمبر 2148، سال 1936 تھا۔ کچھ نقد رقم اور کچھ زیورات اور کپڑوں وغیرہ کی قیمت بھی وصول کرنے کی کوشش کی گئی۔ شنکر راؤ نے اس دعوے کی مخالفت کی، اور ان کی بنیادی عرضی یہ تھی کہ دعوی کی گئی جائیدادوں کے بدلے سنگم میں بڑی تعداد میں زمینیں اصل میں مدعی کی شاخ کو دی گئی تھیں، اور یہ کہ جب تک وہ جائیدادیں واپس نہیں کی جاتی ہیں، مدعی ویلاپور محل کی جائیدادوں کی بازیابی کا دعوی نہیں کر سکتا۔ مقدمہ ایک سمجھوتے کے حکم نامے پر ختم ہوا۔ شنکر راؤ کو زمینوں کا اصل قبضہ مدعی کو مالک کے طور پر اخراجات اور منافع کے ساتھ فراہم کرنا تھا اور مدعی کو باقی دعوی ترک کرنا تھا۔ ڈگری میں کہا گیا ہے، "مدعا علیہ نے اپنے تحریری بیان میں تمام دلائل ترک کر دیے ہیں۔"

حکم نامے کے تحت ویلاپور محل کی جائیدادوں پر قبضہ کرنے کے بعد، مدعی شنکر راؤ نے یہ مقدمہ مدعا علیہان 1 اور 2 سے سنگم کی زمینوں کی وصولی کے لیے لایا جس کا انہوں نے اپنے پہلے تحریری بیان میں حوالہ دیتے ہوئے الزام لگایا کہ وہ دیکھ بھال کے بدلے ان کے دادا کو دی گئی تھیں۔ مدعا علیہان نے جواب دیا ہے کہ مدعی کی طرف سے دعوی کی گئی سنگین زمینوں کی اشیاء ان کے آباؤ اجداد، کرشنا راؤ کو مکمل طور پر دستاویز، سال 1867 کے تحت دی گئی تھیں، اور اس کے بعد سے وہ اس کے مالکان کی حیثیت سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ سول جج نے مدعی کے مقدمے کو یہ نتیجہ اخذ کرتے ہوئے خارج کر دیا کہ مدعی کا یہ مقدمہ کہ زمینیں کرشنا راؤ کو دستاویز، سال 1867 کے تحت دیکھ بھال کے لیے دی گئی تھیں، بے بنیاد تھا۔ لیکن شنکر راؤ (مدعی) کی اپیل پر، عدالت عالیہ نے اس ڈگری کو اس دستاویز، سال 1867 کو ایک دستاویز کے طور پر تبدیل کر دیا جس کے تحت مکمل ملکیت کرشنا راؤ کو منتقل نہیں کی گئی تھی اور یہ کہ سنگم کی زمینوں کی مخصوص اشیاء انہیں عارضی اور مشروط طور پر دی گئی تھیں جب تک کہ کرشنا راؤ پیٹا ویلاپور محل کی زمینوں پر قبضہ حاصل نہ کر لیں جو اس وقت رہن کے تحت تھیں۔

ہم نے دستاویز کا باریکی سے جائزہ لیا ہے اور اپیل پر فاضل ججوں کے نقطہ نظر کے لیے کوئی وارنٹ نہیں ملتا ہے۔ دستاویز نمایاں نمبر 35 ہے، اور یہ پیپر بُک کے صفحہ 63 پر چھاپا گیا ہے۔ ترجمہ کی درستگی کو تسلیم کیا جاتا ہے۔ اسے پہلی شاخ کے نرسنگا راؤ نے آخری شاخ کے کرشنا راؤ کے حق میں

انجام دیا تھا، جو مدعا علیہان 1 سے 3 کے پیشرو تھے۔ یہ پڑھنے کے بعد کہ کرشناراؤ پیٹا ویلا پور محل میں خاندان کے دیشمو کی کرایہ سے متعلق آمدنی میں ایک تہائی حصہ کے حقدار تھے، یہ کہتے ہوئے آگے بڑھتا ہے،

"..............................اس محل کی زمین کے بدلے اور حق داری کے حقوق کے نقد الاؤنس کے سلسلے میں ہم نے آپ کو اس محل کی زمین کے ایک تہائی حصے کے لیے سنگم گاؤں کی درج ذیل زمینیں دی ہیں جو ہمارے ساتھ وڈیلکی حق (بزرگ کا حق) کے ذریعے جاری ہے۔"

دستاویز علاقوں، تشخیص اور حدود کے لحاظ سے اشیاء کو متعین کرنے کے لیے آگے بڑھتا ہے، اور پھر مزید آگے بڑھتا ہے:

"مذکورہ محل سے آپ کی پوری آمدنی کے بدلے میں ہماری طرف سے آپ کو تمام 6 نمبر دیے گئے ہیں۔ اب، مذکورہ زمین میں سے ساڑھے پانچ پاؤ اس وقت آپ کے 'وہیوت' میں ہیں اور باقی زمین آپ کے وہیوت کو دی جانی تھی، لیکن ہم نے پہلے مذکورہ گاؤں رام چندر پانڈورنگ دیشپانڈے کو گروی رکھ دیا تھا، آج 5 پاؤ زمین آپ کے وہیوت میں نہیں ہے۔ لہذا 6 سال کی میعاد ختم ہونے پر، رہن کی مدت، آپ بغیر کسی رکاوٹ کے تحریری طور پر اپنے حق میں منظور شدہ زمین کی پوری وہاوت کو جاری رکھ سکتے ہیں۔ مذکورہ زمین پر وراثت کا ہمارا کوئی دعوی نہیں ہے۔" دستاویز کا اختتام اسی گاؤں میں کھلی جگہ پر ڈوئی کی رہائش کے لیے کیے گئے التزام کے ساتھ ہوتا ہے۔ اس میں مزید کہا گیا ہے:

"................. ویلا پور کے قصبہ میں چار دکانیں اور ایک واڈا ہے اور اس کا ایک تہائی حصہ آپ کے حصے کے لیے مختص کیا گیا ہے جس پر میراث کا کوئی دعوی باقی نہیں ہے۔"

اس دستاویز سے یہ واضح ہے کہ پیٹا ویلا پو محل کی جائیدادوں میں کرشناراؤ کی شاخ کا تیسرا حصہ نرسنگاراؤ کے پاس تھا اور اس کے بدلے کرشناراؤ کو سنگم کی جائیدادوں کی چھ اشیاء دی گئی تھیں، جو اس وقت ان کے قبضے اور انتظام میں نہیں دی جا سکتیں تھیں کیونکہ زمینوں کے ایک حصے پر سود پر مبنی رہن تھا جو اس تاریخ سے چھ سال گزرنے کے بعد ختم ہونا تھا۔ جن زمینوں کو گروی رکھا گیا ہے وہ

سنگم کی زمینیں ہیں نہ کہ پیٹا ویلاپور محل کی زمینیں جیسا کہ عدالت عالیہ نے غلط طور پر فرض کیا ہے۔ کرشناراؤ کو دیکھ بھال کے لیے دی جانے والی جائیدادوں کے بارے میں بالکل کچھ نہیں کہا گیا ہے۔ دوسری طرف، دو جگہوں پر ہم دیکھتے ہیں کہ وراثت کا کوئی بھی حق ترک کر دیا گیا تھا۔ درحقیقت، مدعی کا یہ مقدمہ ٹرائل جج کے سامنے چھوڑ دیا گیا تھا۔ یہ سچ ہے کہ جائیدادوں کا تبادلہ ہوا تھا، لیکن فاضل ججوں کے اس خیال کی ضمانت دینے کے لیے کچھ بھی نہیں ہے کہ یہ عارضی یا مشروط تھا، اور یہ کہ سنگم کی زمینیں واپس کی جانی تھیں جب ویلاپور محل کی جائیدادیں کرشناراؤ کی شاخ کے قبضے اور انتظام میں چلی گئیں۔ یہ کہنا کہ اس طرح کا انتظام مضمر تھا، عمل کی سادہ شرائط کو نظر انداز کرنا ہے۔

جو جائیدادیں اب متنازعہ ہیں وہ وہ اشیاء ہیں جو دستاویز کے تحت آتی ہیں۔ انہوں نے پچھلے دو قانونی چارہ جوئی کا موضوع نہیں بنایا۔ 1867 سے، نمایاں نمبر 35 کی تاریخ وہ ہمیشہ مالکان کی حیثیت سے مدعا علیہان کی برانچ کے قبضے میں رہے ہیں۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ اس سے پہلے کے مقدمات، سال 1925 اور 1936 اس بنیاد پر آگے بڑھے کہ مدعا علیہ کی شاخ متوفی یشونت راؤ کی چھوڑی ہوئی جائیدادوں کی وارث تھی۔

کوئی اور سوال نہیں ہے جو بحث یا فیصلے کے لیے پیدا ہوتا ہے۔ اس کے بعد ٹرائل جج کا یہ فیصلہ درست تھا کہ مدعی کا 1867 کے دستاویز کے تحت آنے والی جائداد متدعویہ پر قبضہ حاصل کرنے کا دعوی مکمل طور پر بے بنیاد تھا۔ عدالت عالیہ کی ڈگری کو الٹ دیا جاتا ہے اور مدعی کی طرف سے مدعا علیہان کو قابل ادائیگی اخراجات کے ساتھ ٹرائل جج کی ڈگری کو بحال کیا جاتا ہے۔